

مطبوعات

ثانی لٹرائی

(منظوم مناقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

شاعر: عبدالعزیز خالد

قیمت: دس روپے - ۱۵۲ صفحات مجلد

ملنے کا پتہ:

آئینہ ادب، چوک بینار۔ انارکلی۔ لاہور

یہ کہنے کے لیے کسی تبصرہ نگار کی ضرورت نہیں کہ عبدالعزیز خالد نے اردو شاعری کا دامن اپنے حسن تخلیق کے پھولوں سے بھر دیا ہے۔ اغلباً زیادہ تر اچھے خیالات اور پاکیزہ احساسات سے جن میں نعمتِ رسولؐ سب سے بڑھ کر ہے اور ساتھ ساتھ مناقب کا سلسلہ بھی چلتا ہے ان چیزوں کو جب بھی پڑھا۔ یہی محسوس ہوا کہ خدا تعالیٰ

نے اپنے اس قلم کش بندے کو ایمان سے نوازا ہے۔ مگر ساتھ کے ساتھ خالد کی شاعری کا ایک دوسرا میدان بھی ہے۔ وہاں کچھ اور ہی رنگ ملتا ہے۔ یعنی ذہن میں ابھی تک دو قوتوں کی کشاکش جاری ہے۔ ایمان کے ساتھ جو حنیفیت پیدا ہونی چاہیے وہ "فِي كُلِّ قَادٍ يَهْتَمُونَ" کا اذن نہیں دیتی۔ مگر شاید وہ اسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کچھ وقت تو لگے گا۔ زمانہ ایسا ہے کہ مسلم فکر اور سیکولر فکر ادب میں اب مل کر نہ چل سکے گی۔ کیونکہ دونوں طرف تصورِ حیات و کائنات جدا جدا ہے، لہذا اخلاقی و تہذیبی شعور بھی جدا ہے۔ غیر یہ معاملہ خالد کا اپنا زیادہ ہے، ہمارا کم۔ ہم تو اس لیے بولنے کا حق رکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہمیں مخاطب بنائے گا تو ہم اپنی سی بات ہی کہیں گے۔

اس وقت خالد کی کتاب ثانی لٹرائی پیش نظر ہے۔ اس میں حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کیے گئے ہیں مگر انداز مناقب نہ اور قصیدہ گو یا نہ نہیں۔ بلکہ ایسا والہانہ جیسے کوئی اپنے محبوب کے کردار کے حسن و جمالی کے پہلو دکھا رہا ہو۔ خالد نے نعت و مناقب کے اس سٹائل کو اپنایا ہے، جیسے شبلی، حالی، حفیظ اور اقبال نے اپنے اپنے رنگ میں پروان چڑھا، یعنی کردار کے حسن کو

تاریخی واقعات کے متحرک پردہ فلم پر دکھانا۔ اس میدان میں خالد نے بہت پیش قدمی کی ہے۔

دو اور باتیں مجھے کہنی ہیں، اگرچہ مجھے اس کا اندیشہ بھی ہے کہ خالد صاحب کے دل میں خیال گذرتے کہ نظم کو کچھ کہنے کا کیا حق ہے اور میرا جواب تیار برتیا ہے کہ تبصرہ نگاری کو تو چھوڑیے، جو بھی دوسروں کے ساتھ مجھے مخاطب بنانا ہے۔ مجھے اس کے متعلق اپنے تاثرات کہنے کا حق ہے۔

پہلی بات میں یہ کہتا ہوں کہ ۸۶، اشعار میں اگر دس یا پانچ غیر مستعمل الفاظ کسی ضرورت شعری سے آجائیں تو گوارا، مگر اسلوب ہی یہ بنالینا کہ عربی اور ہندی و سنسکرت کے لغتِ غریب کا ایک حصہ ہمیشہ کی طرح نظم میں کھپا دینا ہے، اسے مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔ لوگ دقت محسوس کریں تو کہا جائے کہ جاؤ مطالعہ کرو، لغت دیکھو، محنت کرو، ورنہ میری شاعری میں کیا ٹو ہونڈتے ہو۔ وہ تو غیر پھیر بھی اچھا ہے کہ میرے ہی ایک مشورے کے تحت انہوں نے حواشی میں لغت اور تاریخ کے حوالے درج کرنے

شروع کر دیے۔ مگر بات پھر بھی درست نہیں ہے کہ اکا دکا لفظ غریب کا آجانا تو خیر، قاری اس کا مفہوم معلوم کر لے گا، مگر ہر شعر میں اگر مرادفات و مترادفات اور ہم قافیہ قسم کے غریب الفاظ رکھ دیئے جائیں تو یہ شاعری سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک مہیبت ہے۔ ابلاغ کا کلیہ بھی کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ آپ لوگوں کے لیے فکری سطح پر معلم ہیں، ان تک کوئی پیغام نہ سہی — احساس پہنچانا چاہتے ہیں —

ان کے لیے آسانیاں پیدا کیجیے۔ قرآن مجید کی زبان اس معنی میں نئی ہے کہ ایک تو فصاحت و بلاغت کا معیار اوستا ہے، دوسرے معمولی قسم کے مروج الفاظ کو بلند معانی دیے گئے ہیں۔ شاعری اور ادب کا کمال بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ عام استعمال کے الفاظ کے انگوروں سے نئے معانی کا رسیں نچوڑتا ہے۔ نہ یہ کہ جہاں ایسا موقع آیا کہ مروج الفاظ نے ساتھ نہ دیا تو جھٹ لغت غریب کا طرف توجہ کر لی۔ ایسی شاعری سے لوگوں کو مرعوب کر سکتے ہیں۔ ان پر اپنے ہنر بھری علم کا سکہ جاسکتے ہیں، مگر آپ کے افکار و اشعار ان کے دلوں میں جڑیں چھوڑ کر گلاب و یاسمن نہیں بن سکتے کہ جنہیں وہ اپنا باغ سمجھ کر ان سے مچھول سکتیں۔

خالد کی دوسری یہ روایت بھی قابل توجہ ہے کہ وہ عربی اور سنسکرت اور فارسی اور ہندی، بلکہ ساتھ ہی پنجابی داس کے علاوہ مغربی زبانوں کے (الفاظ میں ٹانکے لگا دیتے ہیں۔ بی ناہمواری آردو شاعری کے بنیادی مزاج کے خلاف ہے۔ کہیں آپ اینٹ لگا دیں، کہیں روڑا تو بھاری مٹی کا یہ کتبہ جڑ تو جاتے گا، مگر خوش وضع نہیں لگے گا، میرا رنگ دیکھیے، غالب کا دیکھیے، بلکہ غالب کے دونوں

رنگ دیکھیے، ہندی مزاج کے گیتوں کا رنگ دیکھیے۔ مجاز اور جذبی کا کلام ملاحظہ فرمائیے، جگر اور حسرت کی شاعری پر نگاہ ڈالیے، اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کو لکھیے، حالی، چکست - اصغر گونڈاوی، اختر و مانوی، فضل احمد کریم فضلی، مولانا ماہر القادری کو پڑھیے، عربی فارسی مزاج کی شاعری ہوگی تو اس میں ہندی سنسکرت کے بھاری الفاظ نہ ملیں گے، اسی طرح ہندی سنسکرت کا رنگ ہوگا تو عربی فارسی کا بوجھل لغت استعمال نہ ہوگا۔ سنگ مرمر کی سلیں بنانی ہوں تو بنائیے اور گہر سازی و مرصع سازی کرنی ہو تو وہ کیجیے۔ لوہا اور سنار کے دونوں فنون کو یکجا کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ یہ رنگ خاص بھی مرعوب کن زیادہ ہے، مسکور کن کم۔

یہ تو ہماری محض باتیں ہیں، خالد بہر حال کام کر رہا ہے اور کام کرنے والے کو بسا اوقات باتوں پر توجہ کرنے کی فرصت بھی نہیں ہوتی۔ ہمارا بھی نشا یہ نہیں کہ وہ ہماری گزارشات کو دلیلِ راہ بنا لیں۔ یہ کتاب اس لحاظ سے شاندار ہے کہ اول تو بسم اللہ کے اعداد ۷۶ کے مطابق تعداد اشعار رکھ کر حسن تفاعل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ دوم یہ کہ یہ کتاب اس دور میں صحیح معنوں میں "بقلم خود" ہے۔ یعنی شاعر نے خود ہی اس کی کتابت اپنے عام سادہ و باوقار رسم الخط میں کی ہے۔ کاتب آج کل کتابی و اخباری دنیا میں وہی مقام رکھتا ہے جو اردو شاعری میں معشوق کا ہے۔ وہ محبت بھی کرتا ہے، جادہ پیامیاں بھی، وعدہ شکنیوں سے بھی لذت اندوز کرتا ہے۔ انتظار کی گھر طیاں گزروانا اور اختر شماری کرانا ہے۔ اور بھر الفاظ و معانی کا قتل عام بھی اس بے باکی سے کرتا ہے کہ ہر صفحے پر کشتوں کے پستے لگ جاتے ہیں۔ مصنف کے قلم اور کاتب کے قلم کی قلمرو ایک ہی ہے، لہذا برقاہت رہتی ہے۔ خالد صاحب اس قلمی و کاغذی معشوق کی ناز برداریوں سے بھی بچ گئے اور لاگت بھی کم رہی۔ کاغذ، طباعت، جلد خوب، بلکہ لوہے کی کہیے کہ خالد صاحب نے اپنا ایک معیار قائم کر دیا ہے اس کا ہم دل سے اعتراف کرتے ہیں۔

۷۶ اشعار پر حقیقی تبصرہ کرنا ان اوراق میں ممکن نہیں۔ ہم نے صرف اوپر اوپر سے فضائی سرور سے کیا ہے۔ خالد صاحب کا یہ اسلوب بھی تقریباً ثابت و قائم ہو گیا ہے کہ وہ طویل نظمیوں کو جب لکھتے ہیں تو ان کے آخر میں وہ پھر خود ہی اپنا موضوع بن جاتے ہیں۔ ثانی لاثانی میں بھی یہی صورت ہے۔ ص ۹۷ سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ بڑے معنی خیز اور زوردار اشعار ملتے ہیں، بلکہ مجھے اب

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جب "بیان اپنا" پر آتے ہیں تو بہت زور پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حصے کا ایک سرائے تعلق ہوتا ہے دوسرا انگسار۔ وہ بھی حد سے بڑھ کر، اور یہ بھی اتنا ہی آگے تک۔ کام کی بات یہ کہ ساتھ ہی ابتداء کا تذکرہ چھپڑتا ہے۔ کیونکہ خالد کا وجود ان سے کٹ کر الگ تو نہیں ہو سکتا۔ یہاں پہنچ کر وہ وقت کے فکری، تہذیبی اور اخلاقی ناسوروں کو خوب خوب نمایاں کرتے ہیں۔ ابتداء کا زمانہ کی بات چلتی ہے تو وہ مختصری بہت نصائح بھی کرتے ہیں، کہیں کہیں تو بھر پور زبرد تواریخ کے ساتھ۔ پھر کہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خالد صاحب نے خود کو بھی اپنی میں شامل کر دیا ہے، جن کا تذکرہ ہے یہ سماں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ یہ محض انگسار نہیں، بلکہ شاعری کا کمال ہے اور شاعر یہاں اپنے آپ کو واعظ سے الگ کر دکھاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ۱۵۲ صفحات اور ۸۶، اشعار کا یہ خوبصورت مجلد مجموعہ دس روپے میں اگر مل رہا ہے تو دنیا والوں کو اور کیا چاہیے۔

دبقیہ اسلامی انقلاب کی نفیر

کے ہاتھوں جو انسانی خون بہ رہا ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ حالانکہ اس پر جو اربوں ڈالر مصارف اٹھ رہے ہیں۔ ان کا ناقابل برداشت بوجھ عوام کی جیبوں پر پڑ رہا ہے۔ لیکن عجب تماشا ہے کہ جوئی اسلام اپنے دفاع کا ارادہ کرے اور جوئی اس فتنے کی جڑ کاٹ دینے کا اعلان کرے تو یہی لوگ دہائی دینے لگتے ہیں "ارے! یہ جہاد کس لیے ہے؟"

(باقی)

لے یہ بھی قرون مظلمہ سے زیادہ گندری ہیمازہ کا رروایتوں کی صورت میں۔ خاص طور پر افغانستان میں تو پورا ملک ایک مذبح بنا ہوا ہے اور تہذیب تو کے قسائی ایک قوم کو ذبح کر رہے ہیں۔